کرپشن سے نجات

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

قارئین کرام!
ہماری معاشرتی زندگی کا کم و بیش ہر حصہ بدعنوانی سے زہر آلود ہو چکا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل اور پھر قیام پاکستان کے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (1903ء۔ 1979ء) نے قدم قدم پر قوم کی رہنمائی فرمائی۔ انھوں نے حکمرانوں، سرکاری عہدے داروں اور عام شہریوں سے بار بار اپیل کی کہ وہ خیانت اور کرپشن کی بیماری سے بچیں، مگر افسوس کہ اس آواز پر کان نہ دھرا گیا۔

اب صورت یہ ہے کہ طاقت ور حکمرانوں، مقتدر طبقوں، ذرائع ابلاغ پر قابض لوگوں، ریاستی ملازموں، تاجروں اور عام لوگوں تک میں چھوت کی یہ بیماری گہری جڑیں پکڑ چکی ہے۔

مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے یہ چند اقتباسات یقیناً بہت کچھ سوچنے کی راہ سجھائیں گے۔ مرتب

اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقے سے کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمھیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔ (البقرہ 2:188)

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدے اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم خود جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے، تو محض اس لیے کہ اس کے پاس اپنی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے، یا اس بنا پر کہ کسی اینچ پینچ سے تم اس کو کھا سکتے ہو، اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ حاکم عدالت، روداد مقدمہ کے لحاظ سے وہ مال تم کو دلوا دے۔ مگر حاکم کا ایسا فیصلہ دراصل غلط بنائی ہوئی روداد سے دھوکا کھا جانے کا نتیجہ ہوگا۔ اس لیے عدالت سے اس کی ملکیت کا حق حاصل کر لینے کے باوجود حقیقت میں تم اس کے جائز مالک نہ بن جاؤ گے، عنداللہ وہ تمھارے لیے حرام ہی رہے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں بہرحال ایک انسان ہی تو ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور تم میں سے ایک فریق، دوسرے کی بہ نسبت زیادہ چرب زبان ہو اور اس کے دلائل سن کر میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ مگر یہ سمجھ لو کہ اگر اس طرح اپنے کسی بھائی کے حق میں سے کوئی چیز تم نے میرے فیصلے کے ذریعے سے حاصل کی، تو دراصل تم دوزخ کا ایک ٹکڑا حاصل کرو گے۔ (تفہیم القرآن، اول، ص 147,148)

اخلاقی دیوالیہ پن اور کرپشن

ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ دیکھیں تو اخلاق کی پستی کے ساتھ ہم سرے سے کسی اسلامی زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ مسلمان تو مسلمان بنایا ہی اس لیے گیا ہے کہ اس کی ذات سے دنیا میں بھلائی قائم ہو اور برائی مٹے۔ بھلائی کو مٹانا اور برائی پھیلانا، اور پھر اس کے ساتھ مسلمان بھی ہونا، یہ درحقیقت ایک کھلا ہوا تناقض ہے۔ ایک شخص مسلمان ہو اور پھر بھی اس کے شر سے دوسرے بندگان خدا محفوظ نہ ہوں۔ ایک شخص مسلمان ہو اور پھر بھی اس پر کسی معاملے میں

اعتماد نہ کیا جا سکے، ایک شخص مسلمان ہو اور پھر بھی وہ نیکی سے بھاگے اور بدی کی طرف لپکے، حرام کھائے اور حرام طریقوں سے اپنی خواہشات پوری کرے، تو آخر اس کے مسلمان ہونے کا فائدہ کیا ہے۔

کسی معاشرے کی اس سے بڑھ کر کوئی ذلت نہیں ہو سکتی کہ وہ انصاف سے خالی اور ظلم سے لبریز ہوتا چلا جائے۔ اس میں روز بروز بھلائیاں دبتی اور برائیاں فروغ پاتی چلی جائیں۔ اس کے اندر دیانت اور امانت اور شرافت کے لیے پھلنے پھولنے کے مواقع کم سے کم تر ہوتے چلے جائیں۔ یہ خدا کے غضب کو دعوت دینے والی حالت ہے۔ اگر کسی مسلم معاشرے کی یہ حالت ہو جائے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اسلام کی روح سے خالی ہو چکا ہے، صرف اسلام کا نام ہی اس میں باقی رہ گیا ہے۔ اور یہ نام بھی اب صرف اس لیے رہ گیا ہے کہ دنیا کو اس دین حق سے دور بھگاتا رہے:

مسلمان اخلاقی زوال کی طرف جاتا ہی اس وقت ہے، جب اسے خدا کی رضا اور آخرت کی فلاح مطلوب نہیں رہتی اور صرف دنیا اس کی مطلوب بن کر رہ جاتی ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اخلاق کی پستی کے ساتھ کوئی قوم دنیا کی کامیابی بھی حاصل نہیں کر سکتی۔ اس پستی کے ساتھ تو آخرت بھی ہاتھ سے جاتی ہے اور دنیا بھی ہاتھ نہیں آتی۔

سب سے بڑھ کر دولت کی پیاس ہم کو دنیا طلبی کی طرف لے جا رہی ہے، مگر اس کے لیے ہم نے افراد اور طبقوں کی خود غرضی اور بد دیانتی کو وسیلہ بنایا ہے، حالانکہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ہماری معاشی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہے۔ مجھے شرق اوسط کے متعدد ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ وہاں میں نے جب تاجروں سے کہا کہ: ''آپ جو مال باہر کے بعض غیر مسلم ممالک سے منگاتے ہیں، وہ آپ کے ایک بھائی مسلمان ملک، پاکستان سے بھی مل سکتا ہے، اسے چھوڑ کر آپ دوسروں سے کیوں خریدتے ہیں؟'' تو ان کا یہ جواب سن کر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا کہ: ہم نے مجبوراً پاکستان سے مال منگانا بند کیا ہے، وہاں سے نمونہ اچھا دکھا کر فرمائش حاصل کی جاتی ہے اور پھر اس کی تعمیل میں ردی مال بھیج دیا جاتا ہے۔''

فرمایئے، کیا اس بد دیانتی کے ساتھ ہم تجارت میں کوئی ترقی کر سکتے ہیں؟ ہمارے

کارخانہ دار اور بڑے تاجر جس خودغرضی کے ساتھ بے تحاشا منافع خوری کر رہے ہیں، اس سے ایک محدود طبقہ تو بلاشبہ فربہ ہوتا جا رہا ہے مگر قوم بحیثیت مجموعی لاغر ہو رہی ہے۔ یہ چیز آخر کب تک ہمیں اس طبقاتی کش مکش کی آگ میں جھلسنے سے بچا سکے گی جس میں اسی طرح کی حماقتیں کرنے والے بہت سے دوسرے ملک جھلس چکے ہیں۔ پھر اس خودغرضی کی بدولت ہمارے کارکن طبقوں میں کام چوری اور اپنے فرض سے غفلت اور صرف اپنے حقوق کے لیے لڑنے کی جو بیماری پھیل رہی ہے، کیا واقعی یہ وہی راستہ ہے جس سے ہم معاشی ترقی کی طرف پیش قدمی کر سکیں گے۔

ہمارے ہر شعبہ زندگی کو ادنیٰ مراتب سے لے کر بلند ترین مناصب تک، وہ لوگ چلا رہے ہیں جن کے اندر دیانت، امانت اور فرض شناسی کا فقدان ہے۔ جنھیں ذرا سا لالچ یا تھوڑا سا خوف بھی راستی سے بآسانی ہٹا سکتا ہے۔ جو اپنے معمولی سے فائدے کے لیے دوسروں کو، حتیٰ کہ اپنی قوم اور اپنے ملک تک کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچا دینے میں تامل نہیں کرتے۔ جن کی نگاہ میں ضمیر و ایمان کی کوئی قیمت نہیں۔ جنھیں اپنی ذاتی اغراض کے لیے کسی اصول اور ضابطے کو توڑ دینے میں کوئی باک نہیں۔ روحانی ترقی کا سوال تو بہت اونچا ہے۔ جس کیریکٹر میں امانتوں کا بوجھ سہارنے اور خوف و طمع کے مقابلے میں ٹھیر جانے کی طاقت نہ ہو، وہ حیات دنیا کے کسی میدان میں بھی آخر ہمیں کتنی دور لے جا سکتا ہے۔

ہماری اصل طاقت وہ مادی ذرائع نہیں ہیں، جو خالق نے ہمیں عطا کیے ہیں۔ بلکہ وہ انسان ہیں جنھیں ان ذرائع سے کام لینا ہے۔ یہ انسان اگر بگڑ جائیں تو مادی ذرائع ہمارے کس کام آ سکتے ہیں؟ ان کے بگاڑ اور اس بگاڑ کے اثرات کو ہم محض حکومت اور قانون کی طاقت سے نہیں روک سکتے۔ کیونکہ اس طاقت کے کارگر ہونے کا انحصار بھی ان انسانوں کی سیرت و کردار ہی پر ہے، جو اس طاقت کو استعمال کریں۔ دنیا میں کوئی بہتر سے بہتر قانون بھی کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا، اگر اس کے نافذ کرنے والے خود اس کو توڑیں اور اسے اپنی بدکرداریوں کے لیے ہتھیار بنانے پر تل جائیں۔

ہر پابندی جو آپ کسی خرابی کو روکنے کے لیے لگائیں گے، ایک بددیانت نظم و نسق کے لیے وہ ناجائز فائدے اٹھانے کا ایک نیا دروازہ کھول دے گی اور اصلاح کے بجائے مزید خرابی کی موجب بن جائے گی۔ آپ کا قانون اپنی جگہ خواہ کتنا ہی معقول اور منصفانہ ہو وہ معاشرے میں

عدل قائم کرنے کا معجزہ نہیں دکھا سکتے، اگر انصاف کی کرسی پر بیٹھنے والے ہی انصاف کا خون کرنے لگیں اور قانون کی گرفت میں لانے والی مشینری ہی ظلم پر کمر بستہ ہو جائے۔

دوسری طرف دیکھیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ حکومت کے کارکنوں کے ایمان دار، فرض شناس اور با اصول ہونے کی صورت میں خدا کے دیئے ہوئے ذرائع و وسائل سے جتنا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، اس کا عشر عشیر بھی ایسی حالت میں نہیں اٹھایا جا سکتا، جبکہ ان [سرکاری عہدے داروں اور] کارکنوں کو رشوت، خیانت، کام چوری، سفارش، خویش پروری اور خود غرضی کی بیماریاں لگی ہوئی ہوں، اور آئین و ضابطے کا کوئی احترام ان کے اندر موجود نہ ہو۔ خود حکومت کو بھی جو آمدنی ٹیکسوں اور دوسرے ذرائع سے ہو سکتی ہے۔ مگر بد دیانت کارکنوں کی وجہ سے نہ وہ کبھی پوری طرح وصول ہوتی ہے اور نہ اس کا صحیح استعمال ہی پوری طرح ہوتا ہے۔ (ترجمان القرآن، اپریل 1965ء)

غاصب کے مال میں خیانت

فرض کیجیے کہ ایک شخص کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ وہ چور ہے اور اس کے پاس سارا مال چوری کا ہے۔ پھر کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ میرے لیے اس کے ہاں چوری کرنا یا اس کی جیب کترلینا جائز ہے؟

اس میں شک نہیں کہ اگر متعین طور پر مجھے معلوم ہو کہ اس کے قبضے میں فلاں مخصوص چیز میرے مملوکہ مال سے چرائی ہوئی ہے اور پھر میں کسی وقت اسے حاصل کر لینے پر اپنے آپ کو قادر پاؤں تو میرے لیے اس کا حاصل کر لینا جائز ہوگا۔ لیکن یہ عام مفروضہ صحیح نہیں ہے کہ چور کے مقبوضہ مال کو چرا لینا بہر حال ہر شخص کے لیے حلال ہے۔

یہ سمجھ لیجیے کہ ہم حکومت کے اموال پر دست درازی کی مخالفت اس لیے نہیں کرتے کہ یہ حکومت کسی ایمان دارانہ برتاؤ کی مستحق ہے، بلکہ صرف اس لیے کرتے ہیں کہ خود ہمارے اندر استحقاق کے بغیر فائدہ اُٹھانے کی بیماری پرورش نہ پائے۔ (ترجمان القرآن، مارچ اپریل 1944ء)

سرکاری نرخ بندی کا حکم

تسعیر [سرکاری نرخ بندی] کے معاملے میں اسلام کی پالیسی [یہ] ہے:

نبی ﷺ کے زمانے میں ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں قیمتیں چڑھ گئیں۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: ''آپؐ قیمتیں مقرر فرما دیں۔'' آپ ﷺ نے جواب دیا:

قیمتوں کا چڑھنا اور گرنا اللہ کے ہاتھ میں ہے (یعنی قدرتی قوانین کے تحت ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے اللہ سے ملوں تو اس حال میں ملوں کہ کوئی شخص میرے خلاف ظلم و بے انصافی کی شکایت کرنے والا نہ ہو۔ (مسند البزار المعروف مسند علی بن ابی طالب، حدیث 399)

ذخیرہ اندوزی

اس کے بعد آپ ﷺ نے مسلسل اپنے خطبوں میں، بات چیت میں، اور لوگوں سے ملاقاتوں میں یہ فرمانا شروع کیا کہ:

- ضروریاتِ زندگی کو بازار میں لانے والا اللہ سے رزق اور رحمت پاتا ہے اور ان کو روک رکھنے والا اللہ کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث 1253)
- جس نے چالیس دن تک غلہ روک کر رکھا [تاکہ قیمتیں چڑھیں]، تو اللہ کا اس سے اور اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ (مستدرک، حدیث 4930)
- کتنا برا ہے وہ شخص جو اشیائے ضرورت کو روک کر رکھتا ہے۔ ارزانی ہوتی ہے تو اس کا دل دُکھتا ہے، گرانی بڑھتی ہے تو وہ خوش ہوتا ہے۔ (المعجم الکبیر، حدیث 136)
- جس نے چالیس دن تک غلے کو روک رکھا، پھر اگر وہ اس غلّے کو خیرات بھی کر دے تو اس گناہ کی تلافی نہ ہوگی، جو ان چالیس دنوں کے دوران میں کر چکا ہے۔ (الاصفہانی، ج 5، ص 103)

اس طرح نبی ﷺ احتکار کے خلاف مسلسل تبلیغ و تلقین فرماتے رہے، یہاں تک کہ تاجروں کے نفس کی اصلاح خود بخود ہو گئی اور جو ذخیرے روکے گئے تھے، وہ سب بازار میں آ گئے۔

یہ شان ہے اس حکمران کی، جس کی حکومت اخلاق فاضلہ کی بنیادوں پر قائم ہو۔

اس کی اصل قوت پولیس اور عدالت اور کنٹرول اور آرڈی ننس نہیں ہوتے، بلکہ وہ انسانوں کے قلب وروح کی تہوں میں برائی کی جڑوں کا استیصال کرتا ہے، نیتوں کی اصلاح کرتا ہے، خیالات اور ذہنیتیں بدلتا ہے، معیارِ قدر بدلتا ہے اور لوگوں سے رضا کارانہ اپنے ان احکام کی پابندی کراتا ہے، جو بجاے خود صحیح اخلاقی بنیادوں پر مبنی ہوتے ہیں۔

برعکس اس کے، یہ دنیوی حکام، جن کی اپنی نیتیں درست نہیں ہیں، جن کے اپنے اخلاق فاسد ہیں، اور جن کی حکمرانی کے لیے جابرانہ تسلط کے سوا کوئی دوسری بنیاد بھی موجود نہیں ہے، انھیں جب کبھی اس طرح کے حالات سے سابقہ پیش آتا ہے جیسے آج کل درپیش ہیں، تو یہ سارا کام جبر سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اخلاق کی اصلاح کرنے کے بجاے عامۃ الناس کے اخلاقی بگاڑ میں جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی ہے، اسے بھی پورا کر کے چھوڑتے ہیں۔ (ترجمان القرآن، جولائی اکتوبر 1944ء)

سیلز ٹیکس؟

پاکستان جس کے لیے ساری قوم برسوں سے (سرگرداں) تھی، اس کا انتظام وہ لوگ سنبھالے ہوئے ہیں جو قوم کے محبوب راہ نما تھے۔ اب یہ کیا بات ہے کہ اسی پاکستان کا نظم ونسق چلانے اور اسے مستحکم کرنے اور ترقی دینے کے لیے جب ٹیکس لگائے جاتے ہیں تو قوم کی بہت بڑی اکثریت ان کو ادا کرنے سے جی چراتی ہے؟

کیا اس کی وجہ محض قوم کی بے حسی اور نالائقی ہے؟ یا اس میں کچھ ہمارے سربراہ کاروں کی اپنی کوتاہیوں کا بھی دخل ہے؟

اگر ٹیکس دینے والا یہ دیکھتا کہ پاکستان کے لیے جس ایثار وقربانی کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے، کیا اُسی ایثار سے حکومت کے کارفرما حضرات خود بھی کام لے رہے ہیں؟ اور اگر ٹیکس دینے والے کو یہ اطمینان ہوتا کہ جو کچھ اس سے لیا جا رہا ہے، وہ واقعی اس کی اور ملک کی فلاح وبہبود پر خرچ ہوتا ہے، نہ کہ چند لوگوں کی عیاشیوں پر، تو کیا پھر بھی وہ اپنی حکومت کے مصارف میں حصہ لینے سے گریز کرتا؟

تمام ایمان دار تاجروں کو میرا مشورہ ہے کہ اوّل تو وہ حکومت کے ٹیکس پوری طرح ادا کرنے

کی کوشش کریں۔لیکن اگر یہ بالکل ناممکن ہوجائے اوراس طرح ان کے لیے اپنا پیٹ پالنا بھی مشکل ہوجائے،تو پھر صرف اس حد تک کرسکتے ہیں کہ اپنی بکری [Sale] کا ایک حصہ رجسٹروں میں درج کریں مگر سرکاری کارندوں کے سامنے انھیں جھوٹ نہ بولنا چاہیے، نہ ان کو رشوت دینی چاہیے۔بلکہ ان سے صاف کہنا چاہیے کہ ہمارے حسابات ادھورے ہیں اور ہم اس کے لیے تیار ہیں کہ آپ ہم پر مقدمہ چلادیں۔پھر اگر مقدمہ چلایا جائے تو انھیں عدالت کے سامنے بازار کی تمام صورت حال صاف صاف بیان کردینی چاہیے اور یہ بھی بتادینا چاہیے کہ ان حالات نے ایک ایمان دار تاجر کے لیے روٹی کمانا کس قدر دشوار کردیا ہے۔

کاش، کچھ صاحبِ ہمت لوگ ایسے ہوں جو اس طریقے پر عمل کرگزریں۔اس طرح قوم کے ضمیر کو یہ احساس دلانا آسان ہوگا کہ موجودہ غلط نظامِ حکومت کی وجہ سے کس طرح ایمان داری خطا اور بے ایمانی صواب بن کر رہ گئی ہے۔ (ترجمان القرآن، اگست 1943ء)

سیلز کھاتا اور ایمان داری

اس بگڑے ہوئے ماحول میں جو شخص چور اور جعل ساز نہیں ہے، وہ بھی چور اور جعل ساز ہی فرض کیا جاتا ہے، کیوں کہ دنیا اب یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں ہے کہ کوئی شخص کاروبار میں سچا اور ایمان دار بھی ہوسکتا ہے۔ایسے بگاڑ کی صورت میں جو لوگ سچائی اور ایمان داری کی راہ پر چلنے کا عزم کریں، انھیں اس کی سزا بھگتنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

جھوٹے اور بددیانت لوگ تو رشوت دے کر اپنے جرائم کی پاداش سے بچ نکلتے ہیں، مگر سچے اور ایمان دار آدمی کے لیے یہاں دُہری سزا ہے، ایک سزا سچائی اور ایمان داری سے کام کرنے کی اور دوسری رشوت نہ دینے کی۔ (ترجمان القرآن، جولائی 1951ء)

ٹیکس سے بچنے کی کوشش

اگرچہ موجودہ نظامِ حکومت کے عائد کیے ہوئے ٹیکس بجائے خود ناجائز ہیں اور ناروا اغراض کے لیے استعمال ہوتے ہیں، لیکن اس استحصالِ ناجائز سے بچنے کے لیے جھوٹ اور جعل وفریب اور رشوت کے ہتھیار استعمال کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔اس طرح اپنے مال کو تو بچایا جاسکتا

ہے،لیکن متاعِ اخلاق برباد ہوجائے گی اور اندیشہ ہے کہ رفتہ رفتہ لوگوں کے اندر وہ اخلاقی حس ہی مفقود ہونی شروع ہوجائے گی، جو انسان کو اپنے معاملات میں صداقت و دیانت سے کام لینے پر آمادہ کرتی ہے۔ (ترجمان القرآن، اگست 1946ء)

غیر مقبوضہ چیزوں کا کاروبار

(غیر مقبوضہ مال) کے ممنوع ہونے کی نقلی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

- کوئی ایسی چیز نہ بیچو، جو فی الواقع تمھارے پاس موجود نہ ہو۔(الموطا، حدیث 2316)
- جب تم کوئی چیز خریدو تو اسے اپنے قبضے میں لینے سے پہلے آگے فروخت نہ کرو۔(مسند احمد 15351)
- نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایک شخص غلہ خریدے اور پورا پورا ناپ تول کر لینے سے پہلے اسے آگے فروخت کردے۔ (مسند احمد، حدیث 3365)
- حضور ﷺ نے حکم دیا کہ: جب تک غلہ اس جگہ سے منتقل نہ کر دیا جائے، آگے نہ بیچا جائے۔ (مسند احمد، حدیث 4639)

ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک چیز کو خرید کر قبضے میں لیے بغیر بیچنا ممنوع ہے۔

اس کے ممنوع ہونے کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اوّل تو اس طرح کی خرید و فروخت میں جھگڑے کے امکانات زیادہ ہیں۔دوسرے اس میں بغیر کسی حقیقی تمدنی خدمت کے ایک شخص سے دوسرا شخص ایک غائب چیز کو اپنا منافع لگا لگا کر بیچتا اور خریدتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ صارفین (consumers) تک پہنچتے پہنچتے اس چیز کی قیمت چڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔یہ بہت سے بچولیوں کی منافع خوری، بغیر اس کے کہ وہ واقعی کوئی خدمت اس مال کے پیدا کرنے یا فراہم کرنے میں انجام دیں، خواہ مخواہ اشیا کی قیمتیں چڑھنے کی موجب بنتی ہے۔ (ترجمان القرآن، ستمبر 1951ء)

بولی کی ناجائز صورتیں

نیلام کرنے والے کے لیے یہ تو درست ہے کہ اگر کسی مال پر اتنی بولی نہیں آتی، جس پر اپنا مال بیچنے کے لیے صاحب مال راضی ہو، تو وہ فروخت نہ کرے۔لیکن اس کے لیے دھوکے اور فریب سے کام لینا مناسب نہیں ہے۔اس کو کھلے بندوں یہ بات ظاہر کر دینی چاہیے کہ دوسرے

لوگوں کا جو مال وہ نیلام کے ذریعے سے فروخت کر رہا ہے، یا خود اپنا خرید کیا ہوا جو مال وہ اس طریقے سے نکال رہا ہے، اس پر اگر کم سے کم مطلوبہ قیمت کی حد تک بولی نہ آئی تو وہ اس چیز کو فروخت نہ کرے گا۔ خریداروں میں اپنے آدمی بٹھا کر ان سے بولی دلوانا یا خود خریدار بن کر بولی دینا فریب ہے۔ (ترجمان القرآن، جنوری فروری 1951ء)

رشوت کا مسئلہ

رشوت کی تعریف یہ ہے کہ "جو شخص کسی خدمت کا معاوضہ پاتا ہو، وہ اسی خدمت کے سلسلے میں ان لوگوں میں سے کسی نوعیت کا فائدہ حاصل کرے، جن کے لیے یا جن کے ساتھ اس خدمت سے تعلق رکھنے والے معاملات انجام دینے کے لیے وہ مامور ہو، قطعِ نظر اس کے کہ وہ لوگ برضا و رغبت اسے وہ فائدہ پہنچائیں یا مجبوراً۔ جو عہدے دار یا سرکاری ملازمین، تحفے تحائف کو اس تعریف سے خارج ٹھیرانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ ہر وہ تحفہ ناجائز ہے جو کسی شخص کو ہرگز نہ ملتا اگر وہ اس منصب پر نہ ہوتا۔ البتہ جو تحفے آدمی کو خالص شخصی روابط کی بنا پر ملیں، خواہ وہ اس منصب پر ہو یا نہ ہو، وہ بلاشبہہ جائز ہیں۔

موجودہ حالات ہوں یا کسی اور قسم کے حالات، رشوت لینا تو بہرحال حرام ہے۔ البتہ رشوت دینا صرف اس صورت میں بربنائے اضطرار جائز ہو سکتا ہے، جب کہ کسی شخص کو کسی ظالم سے اپنا جائز حق حاصل نہ ہو رہا ہو اور اس حق کو چھوڑ دینا اس کو ناقابلِ برداشت نقصان پہنچاتا ہو اور اوپر کوئی بااختیار حاکم بھی ایسا نہ ہو جس سے شکایت کر کے اپنا حق وصول کرنا ممکن ہو۔ (ترجمان القرآن، جولائی 1952ء)

رشوت دینے کی مجبوری

عجیب معاملہ ہے کہ یہ لوگ (یعنی سرکاری ملازمین) جب حکومت سے اپنی تنخواہیں اور الاؤنس بڑھوانے کے لیے ہڑتالیں کرتے ہیں، تو پبلک کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور جب اُدھر سے اپنا کام نکال لیتے ہیں تو اسی پبلک کو طرح طرح سے پریشان کر کے اس کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ درحقیقت یہ نہایت ضروری ہے کہ ان لوگوں کو صاف صاف متنبہ کر دیا جائے کہ اگر تم پبلک کے ساتھ ایمان دارانہ رویہ اختیار نہ کرو گے، تو اپنے مطالبات میں پبلک سے کسی

ہم دردی کی توقع نہ رکھو۔

حکومت کے ملازموں سے ناروا فائدے اُٹھانے کے لیے ان کو رشوت دینا قطعی حرام ہے۔لیکن اگر اپنے جائز حقوق بھی آپ اُن کو رشوت دیے بغیر نہ حاصل کر سکیں، اور ان کا نقصان بھی آپ کے لیے قابلِ برداشت نہ ہو، نیز اس قسم کے رشوت خور ملازموں کی شکایت اُن کے افسروں سے کرنے کا بھی موقع نہ ہو، یا اس سے کوئی نتیجہ نکلنے کی توقع نہ ہو، تو مجبوراً ان کو رشوت دیجیے اور ہمیشہ ان کو نصیحت کرتے رہیے کہ یہ حرام خوری ہے جو تم کر رہے ہو اور تمھارا اپنا بھلا اسی میں ہے کہ تم اس سے بچو! (ترجمان القرآن، اگست 1946ء)

رشوت وخیانت کے لیے بہانہ سازی

ایک شخص یا اشخاص سے دوسرے شخص یا اشخاص کی طرف مال کی ملکیت منتقل ہونے کی جائز صورتیں صرف چار ہیں: ایک یہ کہ ہبہ یا عطیہ ہو، برضا و رغبت۔ دوسرے یہ کہ خرید و فروخت ہو، آپس کی رضامندی سے۔ تیسرے یہ کہ خدمت کا معاوضہ ہو، باہمی قرارداد سے۔ چوتھے یہ کہ میراث ہو، جو اَز رُوئے قانون ایک کو دوسرے سے پہنچے۔ ان کے ماسوا جتنی صورتیں انتقال ملکیت کی ہیں، سب حرام ہیں۔

اب دیکھنا چاہیے کہ جو روپیہ ایک افسر یا اہل کار کسی صاحب غرض سے لیتا ہے، یا جو استفادہ وہ اس مال سے کرتا ہے، جو دراصل پبلک کا مال ہے اور پبلک کاموں کے لیے اس کے تصرف میں دیا جاتا ہے، اس کی حیثیت کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ خرید و فروخت اور میراث کی تعریف میں تو آتا نہیں۔ پھر کیا وہ ہبہ یا عطیہ ہے؟

اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک سوال کا جواب کافی ہے۔ کیا یہ ہبہ یا عطیہ ایک اہل کار کو اس صورت میں بھی ملتا جب کہ وہ اس منصب پر نہ ہوتا، یا پنشن پر الگ ہو چکا ہوتا؟

اگر نہیں، تو یہ عطیہ یا ہبہ نہیں ہے کیوں کہ یہ اس کے منصب کی وجہ سے اس کے پاس آرہا ہے، نہ کہ کسی ذاتی تعلق یا محبت یا ہم دردی کی بنا پر۔ اب کیا یہ ان خدمات کا معاوضہ ہے جو ایک اہل کار اپنے منصب کے سلسلے میں انجام دیتا ہے؟

ظاہر ہے کہ یہ درحقیقت معاوضہ بھی نہیں ہے۔ معاوضہ تو صرف وہ تنخواہ اور الاؤنس ہیں جو ملازم ہونے کی حیثیت سے آدمی کو ملتے ہیں۔ ان کے ماسوا جو کچھ ایک اہل کار اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے سلسلے میں حاصل کرتا ہے وہ یا تو خیانت ہے جو پبلک فنڈ میں سے کی جاتی ہے، یا ناجائز خدمات کا معاوضہ ہے جو شرائط ملازمت کے خلاف عمل کرنے کے بدلے میں آدمی کو ملتا ہے۔ یا جائز خدمات کا ناجائز معاوضہ ہے، کیوں کہ شرائط ملازمت کے حدود میں رہتے ہوئے کام کرنے کا معاوضہ تو بشکل تنخواہ آدمی پہلے ہی لے چکا ہے، اس پر پھر مزید معاوضہ حاصل کرنا صریح طور پر حرام خوری ہے۔

یہ تو تھی اصولی بحث۔ اب دیکھیے کہ اس معاملے میں شرعی احکام کیا ہیں:

- ابوحمید الساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سرکاری ملازمین جو ہدیے وصول کرتے ہیں، یہ خیانت ہے۔ (مسند احمد، حدیث 23601)
- ان ہی ابوحمید کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن اللتبیہ نامی ایک شخص کو قبیلۂ ازد پر عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ وہاں سے سرکاری مال لے کر پلٹا تو بیت المال میں داخل کرتے وقت اس نے کہا کہ یہ تو ہے سرکاری مال، اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے ایک خطبہ دیا اور اس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''میں تم میں سے ایک شخص کو اس حکومت کے کام میں جو اللہ نے میرے سپرد کی ہے، عامل بنا کر بھیجتا ہوں تو وہ آ کر مجھ سے کہتا ہے کہ یہ تو ہے سرکاری مال، اور یہ ہدیہ ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ لوگ خود ہدیے دیتے ہیں، تو کیوں نہ وہ اپنے ابا اور اپنی اماں کے گھر بیٹھا رہا کہ اس کے ہدیے اسے وہیں پہنچتے رہتے؟ (صحیح مسلم، 1832، صحیح بخاری، 7174، صحیح ابن خزیمہ، حدیث 2340)
- نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو ہم کسی سرکاری خدمت پر مقرر کریں اور اسے اس کام کی تنخواہ دیں، وہ اگر اس تنخواہ کے بعد اور کچھ وصول کرے تو یہ خیانت ہے۔ (سنن ابوداؤد، حدیث 2945)
- رویفع بن ثابت انصاریؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، وہ یہ حرکت نہ کرے کہ مسلمانوں کے فَے (یعنی پبلک

کے مال) میں سے ایک جانور کی سواری لیتا رہے اور جب وہ بے کار ہو جائے تو اسے پھر سرکاری اصطبل میں داخل کر دے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، اس کا یہ کام بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے 'فے' میں سے ایک کپڑا برتے اور جب وہ پرانا ہو جائے تو اسے واپس کر دے۔ (ابوداؤد، حدیث 2710)

- عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی۔ (ابوداؤد، حدیث 3582)
- عدی بن عمیرۃ الکندی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! جو شخص ہماری حکومت میں کسی خدمت پر مقرر کیا گیا اور اس نے ایک تاگا یا اس سے بھی حقیر تر کوئی چیز ہم سے چھپا کر استعمال کی تو یہ خیانت ہے جس کا بوجھ اُٹھائے ہوئے وہ قیامت کے روز حاضر ہوگا۔ (ابوداؤد، حدیث 3583)

یہ ہیں اس مسئلے میں نبی ﷺ کے ارشادات، اور یہ اپنے مدعا میں اتنے واضح ہیں کہ ان پر کسی تشریح و توضیح کے اضافے کی ضرورت نہیں۔ جو لوگ اپنی حرام خوری کے لیے طرح طرح کے حیلے اور بہانے پیش کرتے ہیں اور اسے اپنی بدزبانی ..... چال بازیوں کے ذریعے سے حلال بنانے کی کوشش کرتے ہیں، آپ ان سے کہیے کہ اگر حرام کھاتے ہو تو کم از کم اسے حرام تو سمجھو، شاید کبھی اللہ اس سے بچنے کی توفیق دے دے۔ لیکن اگر حرام کو حلال بنا کر کھایا تو تمھارے ضمیر مردہ ہو جائیں گے، پھر کبھی حرام سے بچنے کی خواہش دل میں پیدا ہی نہ ہو سکے گی۔ اور جب خدا کے ہاں حساب دینے کھڑے ہو گے تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت تمھارے بدلنے سے نہیں بدل سکتی۔ حرام حرام ہی ہے، خواہ تم اسے حلال بنانے کی کتنی ہی کوشش کرو۔

پھر لوگوں سے کہیے کہ خدا اور آخرت اور حساب اور جزا و سزا، یہ سب تمھارے نزدیک محض افسانہ ہی افسانہ ہے، تب تو حلال و حرام کی بحث فضول ہے۔ جانوروں کی طرح جس کھیت میں ہریالی نظر آئے اس میں گھس جاؤ، اور جائز و ناجائز کی بحث کے بغیر کھاؤ جتنا کھایا جا سکے۔ لیکن اگر تمھیں یقین ہے کہ اوپر کوئی خدا بھی ہے، اور کبھی اس کے سامنے جا کر حساب بھی دینا ہے، تو ذرا اس بات پر بھی غور کر لو کہ آخر یہ حرام کی کمائی کس کے لیے کرتے ہو؟

کیا اپنے جسم و جان کی پرورش کے لیے؟ مگر یہ جسم و جان تو اس خدمت پر تمھارے احسان مند

نہ ہوں گے بلکہ تمھارے خلاف خدا کے ہاں اُلٹا استغاثہ کریں گے کہ تو نے ہمیں اس ظالم کی امانت میں دیا تھا اور اس نے ہمیں حرام کھلا کھلا کر پرورش کیا۔

پھر کیا بیوی بچوں کے لیے کرتے ہو؟ مگر یہ بھی قیامت کے روز تمھارے دشمن ہوں گے اور تم پر اُلٹا الزام رکھیں گے کہ یہ ظالم خود بھی بگڑا اور ہمیں بھی بگاڑ دیا۔ پھر آخر یہ عذابِ الٰہی کے خطرے میں اپنے آپ کو کس لیے ڈال رہے ہو؟

کون ہے جو اس ناجائز خدمت پر تمھارا احسان مند ہوگا؟ کس سے اس بے جا سعی پر صلے کی توقع رکھتے ہو؟

خیانت اور رشوت اور باطل طریقوں کے ارتکاب کا اضافہ کر کے اپنے آپ کو کیوں مزید خطرے میں ڈالتے ہو؟ کیا کبھی موت آنی ہی نہیں ہے؟ یا مرنے کے بعد کوئی جائے پناہ تجویز کر رکھی ہے، جہاں خدا کی پکڑ سے بچ جانے کی اُمید ہے؟ (ترجمان القرآن، ستمبر، اکتوبر، 1944ء)

آڈٹ افسروں کی آؤ بھگت

سوال یہ ہے کہ کیا ایسے افسروں کو پارٹیاں دینا بھی رشوت میں شمار ہوگا، جن کو حکومت کسی ایک فرد یا جماعت کے کام کی جانچ پڑتال کے لیے وقتی طور پر مقرر کرتی ہے؟ یہ لوگ تو غالباً اصطلاحی افسر کی حیثیت نہیں رکھتے، پھر ان کی خاطر و مدارات میں کیا حرج ہے؟

[اس طرح کے سوالات کا] جواب دینے سے پہلے اصولی طور یہ بات ذہن نشین کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم جو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز پر زور دیتے ہیں اور لوگوں کو اپنی اخلاقی ذمہ داریاں سمجھنے اور انھیں ملحوظ رکھنے کی تاکید کرتے ہیں، اس سے ہماری غرض ہرگز یہ نہیں ہے کہ موجودہ نظامِ باطل کو ایک ایسی پرہیزگار رعایا فراہم کر کے دیں، جو ان کے لیے کم سے کم حد تک وجہِ پریشانی ہو۔ درحقیقت اس نظامِ باطل کے طبعی اور لازمی ثمرات یہی ہیں کہ لوگ اخلاقی ذمہ داریوں سے بے پروا اور اپنی خواہشات و ضروریات کو پورا کرنے میں قانون کی گرفت کے سوا ہر دوسری قید سے آزاد ہوں۔ ملازموں کا رشوت خور اور خائن ہونا اور رعیت کا وسیع معنوں میں چور ہونا اس نظام کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس نظام نے انھی صفات کی تخم ریزی کی ہے اور یہ نظام اس کا مستحق

ہے کہ اس کے لیے یہی ثمرات اس کی تخم ریزی کے نتیجے میں پیدا ہوں۔ ظاہر ہے کہ خائنوں، چوروں اور بداخلاق لوگوں کی قیادت میں پاکیزہ اخلاق رکھنے والے لوگ تو پرورش نہیں پا سکتے۔

پس اخلاق کی گفتگو سے ہماری غرض یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان بدسیرت اور بدکردار کارفرماؤں کو ان کی کشت خبیث کے زہریلے ثمرات سے بچائیں اور صالح ثمرات ان کے لیے فراہم کریں۔ ہمیں جو کچھ فکر ہے وہ دراصل خود اپنے اخلاق اور اپنی سیرت و کردار کی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس نظام کے برے اثرات سے اپنے بھائیوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو بچائیں اور ان کے اندر ان اعلیٰ درجے کے اخلاق کو نشو و نما دیں، جن کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں موجودہ بدعمل کارکنوں اور کارفرماؤں کی بہ نسبت صالح تر ٹھہریں اور اللہ تعالیٰ دنیا کی قیادت کے لیے ان کی بہ نسبت اِن کو اہل تر قرار دے۔

اس غرض کے لیے ہم ان برائیوں سے بھی لوگوں کو بچنے کا مشورہ دیتے ہیں، جن کا ارتکاب اگرچہ موجودہ نظام کے مقابلے میں کوئی برائی نہیں ہے، بلکہ شاید بھلائی کی تعریف میں آ سکتا ہے، مگر وہ بجائے خود اخلاق اور شریعت کی نگاہ میں مذموم ہیں۔

اب میں [.....جواب] عرض کرتا ہوں:

جہاں تک میں سمجھتا ہوں، خواہ سرکاری ملازموں کے اپنے مستقل افسر ہوں یا کسی دوسرے محکمے کے لوگ ہوں جنھیں ان کے کام کی جانچ پڑتال وغیرہ کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ مخلصانہ محبت اور شخصی عقیدت و گرویدگی کا تعلق ان کے دلوں میں شاید ایک فی ہزار حالات میں بھی نہیں ہوتا۔ اگر ان سے مفاد وابستہ نہ ہوں تو غالباً کوئی شخص بھی ان کی خاطر و مدارات کا خیال تک نہ کرے۔ یہ دعوتیں اور ٹی پارٹیاں سب اس غرض سے ہوتی ہیں کہ ان کے ذریعے سے کوئی فائدہ، کوئی رعایت یا کم از کم چشم پوشی حاصل کی جائے۔ اس لیے فی الحقیقت یہ بھی اسی طرح رشوت کی تعریف میں آتی ہے جس طرح عام اور معروف رشوت۔ (ترجمان القرآن، مارچ، اپریل 1344ء)

[مرتبہ: س۔م۔خ]

(قیمت فی سیکڑہ 500 روپے)

☆.....☆.....☆